بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتحادرویت کے ایک مجہول دعوے دار کے چند سوالات اوران کے معقول ومدلل جوابات

عبدالخبیر محمد شفیق السّلفی بدایونی

استاذ: المعہد الاسلامی السّلفی رچھا، بریلی

فون نمبر: 9027268710

کچھ دن پہلے تمام دنیا کے لئے رویت وحدہ کے قائلین کی جانب سے ہندی رسم الخط میں انیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ موصول ہوا سوال کس کی جانب سے ہیں؟ اس کی کوئی وضاحت شروع یا آخر میں نہیں ہے، البتہ اتنی بات طے ہے کہ موصوف سائل صاحب منہج سلف سے نابلد اور ضدی قسم کے ہیں، اسی لئے ایک طرف سوال بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف مؤقر علماء کرام پر اپنے اعتراضات کی بوچھار بھی کرتے ہیں، اس سے موصوف سائل کی درستی کی امید کم ہی ہے اس قسم کے سوالات امت میں مزید انتشار کا باعث نہ ہوں، اس لئے ان کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں، سوالات کے جواب سے پہلے اصولی طور پر چند باتیں سمجھ لیں۔

(۱) ائمہ مجتہدین کے یہاں رویت ہلال کا مسئلہ اختلافی رہا ہے، البتہ مسئلہ کی نوعیت آج کی طرح معرکۃ الآراء نہیں تھی اور نا ان میں سے کسی کی اس مسئلہ سے پہچان تھی ، بنیادی طور پر اس زمانہ میں اس مسئلہ میں دو رائیں تھی:

(أ) اختلاف رویت معتبر ہے یعنی اگر چاند کسی جگہ نظر آئے تو وہ اسی جگہ یا ان قریبی جگہوں کے لئے معتبر ہوگا، جہاں چاند اسی دن دکھنا ممکن ہے، وہ قریبی جگہ کہاں تک ہوں گی؟ یہ مسئلہ پہلے زمانہ میں اختلافی تھا لیکن اب اس کو ٹیکنالوجی کی مدد سے بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ آج بڑی آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ چاند اگر ایک جگہ دیکھا گیا ہے تو اس کو کہاں تک دیکھا جاسکتا ہے؟ **(ب)** اختلاف رویت معتبر نہیں ہے یعنی چاند اگر ایک جگہ دکھ گیا تو دنیا میں ہر جگہ اس کا اعتبار ہوگا چاہے چاند اس جگہ دکھ سکتا ہو یا نہیں لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے اب تک معمول بہ نہیں رہا اور نہ ہی کبھی امت نے اس کی کوشش ہی کی (یہ اس صورت میں ہوگا جب فقہاء کی اصطلاح 'سائر البلاد' ، 'جمیع البلاد' وغیرہ سے ان کی مراد پوری دنیا ہو اور اگر اس سے مراد ساری دنیا نہ ہو بلکہ اس سے مراد ان کی وہ قریبی علاقے ہوں، جو ان کے علم میں تھے تو ایسی صورت میں یہ دونوں اقوال تقریبا ایک ہی ہیں محض لفظی فرق ہوگا، اگر ہم فقہاء کی عبارات پر غور کریں تو یہی بات زیادہ قرینہ قیاس ہے)

(۲) آج کل بعض افراد کا دعوی کرنا کہ ''مکہ کی رویت تمام دنیا کے لئے ہے'' یہ ایک ایسا قول ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں نہیں ملتی، زمانہ خیر القرون سے ماضی قریب تک اس قول کا قائل کوئی بھی نہیں دکھایا جاسکتا، سب سے پہلے اس مسئلہ سے دنیا کو متعارف کرانے والے ایک مصری عالم احمد شاکر ہیں اور ہندوستان میں اس کو سب سے پہلے شیخ عطاء الرحمٰن مدنی نے اٹھایا اور اب یہ دین ایمان کا مسئلہ بنتا جارہا اور اس مسئلہ کی بنیاد پر الگ الگ روزے اور عیدیں منائی جارہی ہیں، حالانکہ خود شیخ عطاء نے شاید ہی کبھی عام مسلمانوں سے ہٹ کر الگ الگ روزے اور عید قائم کی ہو؟ بہر حال اس قول پر نا تو کتاب وسنت میں کوئی دلیل ہے اور نا ہی سلف صالحین میں اس کا کوئی قائل ہے اور نا ہی کبھی بھی امت نے اس کو اختیار کیا ہے، اس لئے یہ قول سراسر باطل ہے۔

(۳) اختلاف مطالع ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نپٹ اندھا ہی کرسکتا ہے، کسی سوجھ بوجھ رکھنے والے شخص سے اس کے انکار کی امید نہیں کی جاسکتی !

(۴) اسی طرح یہ بات بھی بالکل یقینی ہے کہ کسی بھی مہینہ کے اختتام کے بعد دوسرے مہینہ کے چاند کی رویت پہلے ہی دن تمام دنیا میں نہیں ہوتی ہے اور اسی وجہ سے تاریخوں کا اختلاف صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اختلاف کے باوجود اسی نظام کو قائم رکھا اور کوئی تبدیلی نہیں کی جو اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(۵) اللہ تعالی نے صوم وافطار کو رویت ہلال پر معلق کیا ہے یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھنا ہے اور چاند دیکھ کر عید منانا ہے، رویت ہلال دو طرح ہے (۱) رویت عینی اس سے مراد یہ ہے کہ چاند کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو (۲) رویت حکمی اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے چاند کو اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا اور کسی عارضہ کی وجہ سے رویت عام نہیں ہوئی لیکن کسی قریبی جگہ رویت ہونے کی وجہ سے اس جگہ بھی رویت ممکن ہے مطلع کے ایک ہونے کی وجہ سے تو اب اگر وہاں سے رویت کی خبر کسی ایسی جگہ دی جائے جہاں رویت ممکن ہے تو اس کو رویت حکمی کہا جائے گا۔

(۶) قریبی شہادت کو قبول کرنے کا واقعہ آپ ﷺ کی زندگی میں پیش آیا، جس کی تفصیل ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۶۴۳ میں دیکھی جاسکتی ہے البتہ دور کی شہادت کو قبول کیا

جائے یا نہیں؟ اس کی وضاحت نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں ملتی۔ ہاں! ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زندگی میں دور کی شہادت کو قبول نہ کرنے کا واقعہ امام مسلم رحمہ اللہ سمیت کئی محدثین نے اپنی اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے جس کی تفصیل حدیث کریب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ملک شام کی شہادت کو نہیں مانا، اس وقت موجود صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے اس عمل کی مخالفت نہیں کی، گویا اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ملک شام جتنی دوری پر مطلع بدل سکتا ہے اور اگر مطلع بدل جائے تو اتنی دوری کی رویت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حدیث کریب پر محدثین کی تبویب بھی اسی بات کی گواہی دیتی ہے جس کی تفصیل بعد میں آتی ہے۔ ان شاء اللہ!

(۷) قرآن وحدیث کو صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین اور سلف صالحین کے منہج کے مطابق سمجھا جائے گا، نصوص کی من مانی تشریح قابل قبول نہیں ہوگی، یعنی جو مفہوم کسی آیت یا حدیث کا خیر القرون میں سمجھا گیا، وہی معتبر ہوگا اس کے خلاف بعد میں آنے والوں کا مفہوم غیر معتبر ہوگا اور ہم اہلحدیث اسی مفہوم میں اپنے آپ کو سلفی کہلاتے ہیں سلف میں اختلاف کی صورت میں اس قول پر عمل ہوگا جو قرآن وحدیث کے زیادہ قریب ہوگا۔

(۸) مہینہ کی ابتداء واختتام میں شام کے چاند کا اعتبار ہوگا اگر چاند دن میں یا رات میں آخری پہر کو دکھائی دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سوال نمبر۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "اللہ کے یہاں اللہ کی کتاب میں مہینوں کی گنتی بارہ ہے، اس دن سے جس دن سے زمین وآسمان کو بنایا"۔ (التوبہ آیت:۳۶) جس دن زمین وآسمان کو بنایا اس دن کے بعد بارہ مہینے پورا ہونے پر ایک سال پوری دنیا میں پورا ہوگیا، یا دنیا کے کچھ حصوں میں ایک سال پورا ہوا اور کچھ حصوں میں پورا نہیں ہوا؟

جواب:۔ اس سوال سے سائل کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس وقت اللہ نے آسمان، زمین کو پیدا کیا، اسی وقت سے تمام دنیا میں سال کی ابتدا ہوئی اور پھر اسی وقت سے تمام دنیا میں بارہ مہینہ گذرنے کے بعد ایک سال مکمل ہوا؟ یا وہ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ سال کی ابتدا اس دن سے ہوئی جس دن آسمان وزمین پیدا ہوئے اور پھر بارہ مہینے گذرنے کے بعد ایک سال مکمل ہوا؟ بہر حال سوال واضح ہونا چاہئے، اب ہم سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں سائل کی مراد اگر پہلی شق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے تمام حصوں میں وقت ایک نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی جگہ دن ہے تو کسی جگہ رات کہیں صبح ہے تو کہیں شام پھر گھنٹوں اور منٹ کے اعتبار سے ہر جگہ کا وقت الگ الگ ہے، جبکہ شریعت کے اعتبار سے دن مہینہ یا سال کی ابتدا کے لئے جو وقت متعین کیا ہے وہ غروب شمس ہے، پھر مہینہ اور سال کے بدلنے کے لئے ایک چیز اور ہے جس کی ضرورت ہے اور وہ ہے غروب شمس کے بعد مغربی افق میں نئے چاند کا نظر آنا اسی طرح یہ بھی معلوم رہے کہ پوری دنیا میں پہلی تاریخ کے چاند کی رویت عام نہیں ہوتی ہے، اس لئے ایک ہی وقت میں پوری دنیا میں سال کا مکمل ہونا ناممکن ہے اور نہ ہی ایسا کسی محدث، مفسر نے آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے؟ اور اگر سائل کی مراد دوسری شق ہے، تو دنیا کے جس جس حصہ میں سال کا آخری دن مکمل ہوتا جائے گا، یعنی غروب شمس ہوتا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی نئے چاند کی رویت ہوتی جائے گی، سال یا مہینہ مکمل ہوتا جائے گا اور نیا سال اور نیا مہینہ شروع ہوتا جائے گا، لھذا یہ خیال کہ ساری دنیا میں ایک ساتھ ایک ہی دن ہو باطل ہے، بلکہ دنیا کے بعض حصوں میں الگ الگ دن ہونا یقینی بات ہے، چند سالوں سے کچھ نئے مفکروں کی بات کو چھوڑ دیا جائے تو یہی طریقہ ساری دنیا میں رائج رہا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں دنیا میں مختلف جگہوں پر الگ الگ تاریخیں ہوتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اس کو غلط نہیں بتایا اور نہ ہی تمام دنیا میں ایک ہی تاریخ ہو آپ نے ایسی کوشش ہی کی۔

سوال نمبر۲: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کفار کا مہینوں کو آگے پیچھے کرنا ان کے کفر کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے" (التوبہ آیت:۳۷) کفار کا پورے مہینے کو آگے پیچھے کرنے سے ان کا کفر زیادہ ہوجاتا ہے یا ایک دو دن بھی آگے پیچھے کرنے پر بھی وہ اپنے کفر میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں یا ایک دو دن آگے پیچھے کرنے پر ان کے کفر پر کوئی فرق نہیں پڑتا؟

جواب:۔ کفار جو زیادتی کرتے تھے وہ مہینوں کو آگے پیچھے کرنا تھی شریعت نے اس کو کفر قرار دیا ہے مثلاً محرم کو آگے کرکے صفر کردینا، اور صفر کو محرم بنالینا، رہی بات دنوں کو آگے پیچھے کرنے کی تو ایسی کوئی مثال کفار کے یہاں نہیں پائی جاتی جس کو شریعت نے کفر بھی کہا ہو؟ اور جب ایسی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تو اپنی طرف سے سوال گھڑنا بالکل غلط ہے اور منہج سلف کے خلاف بھی ہے، اور رہی بات چاند کی رویت سے تاریخوں کے اختلاف کی بات اور اس کو کفر سمجھنے کی، تو اس کو آج کل کے کچھ نئے مفکرین کفر سمجھیں تو سمجھیں ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر کسی معتبر عالم نے اس طرح کی جہالت پر مبنی بات نا تو کہی ہے اور نا سمجھی ہے، اور یہ بھی یاد رہے جو چیز نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں کفر تھی آج بھی کفر ہوگی، اور جو اس وقت کفر نہیں وہ آج بھی کفر نہیں اس لئے آج کے جدید مفکرین کا اس کو کفر سمجھنا ان کی جہالت کی دلیل ہے، تاریخوں کا اختلاف رویت کے اختلاف سے ایسی بدیہی بات ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور اسکی دلیل حدیث کریب سے واضح ہے اگر یہ اختلاف کفر ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ضرور اس کی وضاحت کرتے ،لہٰذا اس اختلاف کو کفر سمجھنا سخت قسم کی جہالت ہے

سوال نمبر۳:۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کریب کی بیان کردہ شام کے چاند کی رویت کو نہیں مانا اس کی ایک وجہ رویت کا بروقت نا ملنا، دوسرے ایک صوبے کی خبر دوسرے صوبے میں نا ماننا، تیسرے دوری کا لگ بھگ ۹۰۰ کلومیٹر ہونا ہے، اب اگر چاند کی رویت کی خبر بروقت ملنے پر نا ماننے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اولا تو یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کریب کی شام کی رویت ہلال کو نہیں مانا بلکہ درست بات یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شام کی رویت کو مانا، لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کیا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رویت کی خبر کو ماننا الگ بات ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا الگ بات، دونوں میں فرق ہے پریشانی اس وقت آتی ہے جب دونوں کو ایک سمجھ لیا جائے اس کو ہم ایک مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، ہم اپنی قریب کی جگہوں کے سورج کے طلوع اور غروب کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتے ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو مانتے بھی ہیں اور اسکے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، لیکن ایسا زیر بحث مسئلہ میں نہیں ہے اور نا ہی کسی صحابی، محدث، امام یا معتبر عالم نے ایسا سمجھا ہے، اس لئے اس فرق کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور اس میں خلط مبحث نہیں کرنا چاہئے، رویت کریب کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مانا یا نہیں مانا؟ یہ آج کچھ جاہل مفکرین کے سبب اختلافی مسئلہ ہے ورنہ محدثین نے اس سے وہی سمجھا ہے جو آج تک امت کے درمیان معمول بہ رہا ہے، چنانچہ حدیث کریب پر محدثین نے جو تبویب کی ہے وہ مسئلہ کو واضح کرتی ہے چند کتب احادیث کے ابواب یہ ہیں مسلم شریف میں امام نووی نے اس حدیث پر باب باندھا ہے ''باب بیان ان لکل بلد رویتھم ''یعنی یہ باب ہے اس بیان میں کہ ہر بلد کی رویت ان کے اپنے لئے ہے، امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث پر کچھ اس طرح باب باندھا ہے ''باب اذا رئی الھلال فی بلد قبل الآخرین بلیلۃ ''یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب چاند کسی بلد میں دوسروں سے ایک رات قبل نظر آئے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب باندھا ''باب ما جاء لکل اھل بلد رویتھم ''یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ ہر بلد کے لئے ان کی اپنی رویت ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے باب باندھا ''اختلاف اھل الآفاق فی الرؤیۃ ''یعنی رویت میں اہل جہاں کے اختلاف کے سلسلہ میں یہ باب ہے، امام ابن خذیمہ رحمہ اللہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں انہوں نے باب باندھا ''باب الدلیل علی ان الواجب علی اھل کل بلدۃ صیام رمضان لرویتھم لا روئۃ غیرھم ''یعنی یہ باب ہے اس دلیل کے بیان میں کہ ہر بلد والے پر اس کی رویت کے مطابق روزہ رکھنا واجب ہے دوسروں کی رویت سے نہیں، یہ چند ابواب ہیں جو محدثین نے حدیث کریب پر باندھے ہیں جس سے حدیث کریب کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے اور اسی طرح محدثین کے یہاں بلد کا مفہوم کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے یہ بھی یاد رہے کہ اس مفہوم کی مخالفت دور صحابہ یا بعد میں تابعین، تبع تابعین، محدثین میں کسی سے ثابت نہیں ہے بلکہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ خراسان اور اندلس جتنی دوری اگر ہے تو اس کی رویت کا اعتبار نہیں ہوگا، امام قرطبی فرماتے ہیں ''حکی ابو عمرو الاجماع علی ان لا تراعی الرؤیۃ فیما بعد من البلدان کالاندلس من خراسان قال ولکل بلد رویتھم ''(تفسیر قرطبی سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۹)

خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ حدیث کریب سے تمام محدثین نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شام کی رویت پر عمل اس دوری کی وجہ سے نہیں کیا جو دونوں جگہوں میں پائی جا رہی تھی، اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ رسول ﷺ نے روزہ، عید وغیرہ کو چاند کی رویت سے معلق کیا ہے اور شام و مدینہ کی دوری کو دیکھتے ہوئے عین ممکن تھا کہ دونوں کا مطلع مختلف ہو، اور جو رویت شام میں ہوئی ہو وہ مدینہ میں نا ہوئی ہو، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس عمل کی مخالفت بھی وہاں موجود صحابہ میں سے کسی نے نہیں کی اور نا ہی بعد میں زمانہ خیر القرون میں کسی نے ان کی مخالفت کی گویا کہ اسی پر اجماع قائم ہوا بلکہ اس کے بعد بھی اسی بات پر امت کے درمیان اجماع رہا، ابن عبدالبر کا قول اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اسی طرح یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بروقت خبر پہنچنے یا نا پہنچنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ ہم شام کی رویت سے ایک دن پیچھے ہیں، تو وہ ایک روزہ کی قضا کا حکم دے سکتے تھے اور لازما اپنے ۲۹ روزے رکھ کر عید منا سکتے تھے۔لیکن قضا تو بہت دور کی بات انہوں نے تو ۲۸ روزے رکھنے کے بعد چاند دیکھنے کا اہتمام بھی نہیں کیا، مخالفین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل پیش کریں جس میں وضاحت ہو کہ شام میں رویت ہونے کے علم کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۲۸ روزے پورے کرنے کے بعد چاند دیکھنے کا اہتمام کیا ہو؟ اور ''بروقت خبر ملنے'' کی پخ دور جدید

کے نئے مفکرین کی ہے صحابہ وتابعین، تبع تابعین، ائمہ ومحدثین میں سے کسی نے بھی نہیں لگائی اور نا ہی اس طرح کے مفروضے قائم کئے اور اگر ایسا ہے تو حوالہ پیش کیا جائے؟ ۹۰۰ کلومیٹر یا قصر جتنی دوری میں رویت کے اختلاف کی جو بات بعض علماء نے کہی ہے تو وہ ایک اندازہ ہے، اصل مطلع کا اختلاف ہے اس لئے اگر مطلع مختلف ہوجائے اور رویت نا ہو تو ۹۰۰ کلومیٹر ہو یا نہ ہو، قصر ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو حکم بدل جائے گا چاہے خبر بروقت ملے یا نا ملے، بہرحال مطلع مختلف ہے تو اس کا اعتبار ہوگا

سوال نمبر۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے خلاف کہ انہوں نے ایک صوبے کی رویت دوسرے صوبے میں نہیں مانی اب اگر کوئی شخص ایک صوبے کی رویت دوسرے صوبے میں مان لیتا ہے تو ایسے شخص کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ مطلع مختلف ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص بلا رویت کے ایسا کرتا ہے تو گویا اس نے صحابہ، تابعین اور محدثین کے درمیان اجماعی مسئلہ کی مخالفت کی اور ایسا شخص دلیل شرعی اجماع کی مخالفت کی وجہ سے خطا کار ہے اور اس کو اپنے عمل سے رجوع کرنا چاہئے

سوال نمبر۵۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لگ بھگ (تقریبا) ۹۰۰ کلومیٹر کی رویت کو نہیں مانا تو ۹۰۰ یا اس سے زیادہ کلومیٹر کی رویت کو ماننے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ جناب عالی! آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۹۰۰ کلومیٹر ہونے کی وجہ سے رویت کو نہیں مانا؟ پہلے تو یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شام کی رویت کو نہیں مانا اور اس کا باطل ہونا اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس کے بعد بھی اگر کسی کا خیال یہی ہے تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھ رہا ہے اور محدثین نے جو شام اور مدینہ کے درمیان تقریبا ۷۰۰ میل کی دوری بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اب یہ دوری ہی اصل ہے اور اتنی ہی دوری پر حکم بدلے گا۔ بلکہ اصل رویت کا اختلاف ہے اور رویت مطلع کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے، چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں رویت متحقق نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اب اگر کہیں رویت ممکن نا ہو تو وہاں کے لوگوں کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو صوم وافطار سے روکے رکھیں، اور اپنی رویت کے اعتبار سے عمل کریں گے، دوری کم ہو یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

سوال نمبر۶۔ اللہ کے نبی ﷺ نے جس دوری کی رویت کی شہادت مانی شیخ رضاء اللہ صاحب اس دوری کو ۱۰ یا ۱۲ رمیل بتاتے ہیں اب اگر کوئی شخص ۱۰ یا ۱۲ رمیل سے زیادہ کی رویت کو مانے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ جس قافلہ کی گواہی رویت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے مانی وہ رویت کتنے دور کی تھی؟ روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے ۱۰-۱۲ رمیل محدثین کا اندازہ ہے اور اندازہ کم یا زیادہ ہوسکتا ہے اس لئے دوری ۱۰-۱۲ رمیل ہو یا زیادہ؟ یہ زیر بحث نہیں، بلکہ اصل رویت کا متحقق ہونا ہے اگر رویت ممکن ہے تو اسی کے اعتبار سے عمل کیا جائیے گا، اور اگر رویت ممکن نہیں ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا دونوں جگہوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جس سے رویت مختلف ہو اور اس کے باوجود آپ ﷺ نے رویت کو مان لیا؟ اگر ایسا ہے تو مخالفین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اقوال رسول اور صحابہ وتابعین سے ثابت کریں، ہمیں یقین ہے مخالفین اس کو کبھی ثابت نہیں کر پائیں گے (ولو كان بعضكم لبعض ظهيرا) اور اگر ابن ماجہ کی مشار الیہ روایت پر غور کیا جائے تو دوری تقریبا اتنی ہی بنتی ہے جتنی محدثین یا شیخ رضاء اللہ المدنی حفظہ اللہ نے بیان کی ہے، اس لئے شیخ کی بات اپنی جگہ بالکل درست ہے۔

سوال نمبر۷۔ کیا حدیث میں مطلع کے مختلف ہونے پر رویت کو نا ماننے کا ذکر موجود ہے؟

جواب۔ مطلع چاند کے طلوع کی جگہ کو کہتے ہیں اور چاند کا مطلع ہر روز مختلف ہوتا ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے جس کا انکار نپٹ اندھا ہی کرسکتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ چاند کی رویت بھی اختلاف مطالع کی بنا پر مختلف ہوتی ہے اب ہم نبی ﷺ کے فرمان عالی مقام "صوموا لرؤيته وافطروا لرويته فان غبى عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين "یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو (عید مناؤ) اور اگر تم پر بدلی چھا جائے تو شعبان کی گنتی پوری کرو، پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اختلاف مطالع اور پہلے دن تمام دنیا میں رویت کے عام نہ ہونے کے باوجود صوم وافطار کو رويت هلال پر موقوف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مطلع مختلف ہے اور رویت ہلال ممکن نہیں ہے تو ایک جگہ کی رویت کا اعتبار دوسری جگہ نہیں ہوگا، حدیث کے آخری ٹکڑے سے اس کی مزید تائید ہوجاتی ہے کہ اس میں شعبان کی گنتی کو پورا کرنے کا حکم ہے گواہی منگانے کا نہیں، باوجود اس کے کہ چاند کی رویت پہلے دن ہر جگہ عام نہیں ہوتی اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر مطلع مختلف ہے، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۸۔ اللہ کے رسول ﷺ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے رویت کی خبر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں بھیجی تو چاند کی رویت کی خبر کسی دوسری جگہ بھیجنا شریعت کے مطابق ہے یا بدعت ہے؟

جواب۔ نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یقیناً رویت کی خبر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا، اور آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے مطلع کے اعتبار سے آزاد چھوڑ دیا تھا اور اسی پر صحابہ کا عمل تھا، البتہ بعض حالات میں آپ ﷺ اور صحابہ نے قریب کی رویت کی خبر کو مانا ہے، اس لئے رویت کی اطلاع ایک جگہ سے دوسری جگہ دے دینا اور مطلع ایک ہے تو عمل بھی کرنا بہر حال بدعت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۹۔ اس قافلہ کے لوگ جو رویت کی خبر لے کر مدینے آئے وہ قافلہ مدینے آ ہی رہا تھا یا چاند کی خبر لے کر خاص مدینے کو آیا تھا؟

جواب۔ مدینہ عام گذرگاہ کے پاس ہی تھا اور وہاں قافلوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ یہ قافلہ بھی اسی قبیل کا تھا خبر پہنچانا مقصد نہیں تھا۔ مشار الیہ روایت میں بھی اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے اس کو عام حالت پر محمول کیا جائے گا اگر آپ کے پاس اس کے برخلاف کوئی دلیل ہے تو پیش فرمائیں۔

سوال نمبر ۱۰۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چاند کی رویت کی دوری اگر کوئی شخص قصر یا اقلیم بتاتا ہے تو اس کا یہ قول عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے'' آپ علامہ کے اس قول سے متفق ہیں یا نہیں؟

جواب۔ کیا آپ نے علامہ ابن تیمیہ کی کتاب میں یہ قول پڑھا ہے؟ حوالہ مطلوب ہے، یہ قول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہو یا نا ہو بات اپنی جگہ درست ہے یقیناً شریعت میں ایسی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو رہا ہو کہ قصر کی مسافت پر یا اقلیم بدلنے پر رویت مختلف ہو جاتی ہو؟ اور ظاہر ہے جو قول شریعت کے خلاف ہو وہ یقیناً عقل کے بھی خلاف ہوگا۔

سوال نمبر ۱۱۔ شیخ رضاء اللہ صاحب عرفہ کا روزہ مکہ کے چاند کے حساب سے رکھنے کے قائل ہیں آپ عرفہ کا روزہ مکہ کے چاند کے حساب سے رکھنے کے قائل ہیں یا نہیں؟

جواب۔ چند سال پہلے تک اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا تمام لوگ اپنے اپنے مطلع کے حساب سے ۹ رذی الحجہ کو عرفہ کا روزہ رکھتے تھے اب اس مسئلہ میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے اور مکہ کے چاند کے مطابق عرفہ کے روزہ رکھنے کی بات کی ہے اس مسئلہ میں بعض ہمارے جلیل القدر علماء بھی شامل ہیں انہی علماء میں سے ایک بڑا نام شیخ رضاء اللہ عبد الکریم المدنی حفظہ اللہ کا بھی ہے جب کہ اکثر علمائے کرام عرفہ کا روزہ اپنے مطلع کے اعتبار سے رکھنے کے قائل ہیں یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو علماء عرفہ کا روزہ مکہ کے حساب سے رکھتے ہیں ان میں سے کئی علماء عرفہ کا روزہ مکہ اور اپنے مطلع کے اعتبار سے، دونوں طرح رکھنے کی بات بھی کرتے ہیں بہر حال میری اپنی سمجھ کے اعتبار سے ان علماء کا قول زیادہ درست ہے جو اپنے اپنے مطلع کا اعتبار کرتے ہوئے عرفہ کا روزہ رکھتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۲۔ شیخ رضاء اللہ صاحب کے مطابق عرفہ کے روزے کے لئے آج کے وسائل کا استعمال کیا جا سکتا ہے تو رمضان کے روزوں کے لئے آج کے وسائل کو استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وسائل آج کے ہوں یا کل کے، حکم شرعی کو نافذ کرنے اور شریعت کے مطابق عمل کرنے میں ضرورت بھر مدد لی جا سکتی ہے، جیسے کہیں چاند باریک ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا ہے تو دوربین کا استعمال کر سکتے ہیں، چشمہ لگا کر دیکھنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں، حج کرنے کے لئے ہوائی جہاز وغیرہ کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں چاند کی رویت ہوئی ہی نہیں وہاں زبردستی چاند دیکھے بغیر روزہ یا عید منانا وسائل کا استعمال نہیں بلکہ شریعت سازی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں رمضان کا مہینہ اور عید الاضحیٰ کا مہینہ کئی دفع آیا اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی زندگیوں میں بھی دسیوں دفع یہ مہینے آئے، لیکن انہوں نے کبھی بھی مکہ کی رویت معلوم کرنے کے لئے تیز رفتار گھوڑوں، اونٹوں کا استعمال نہیں کیا، چلو تھوڑی دیر کے لئے بروقت رمضان اور شوال کے ہلال کی اطلاع ناممکن تھی (حالانکہ یہ ''بروقت'' کی پخ جدید مفکرین کی اپنی اپج ہے شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ نبی ﷺ اور صحابہ کی زندگی میں کئی دفع ایسا ہوا کہ اگر اطلاع نہیں مل سکی اور بعد میں ملی تو روزے توڑ دیئے گئے اور پھر دوسرے دن عید منائی گئی) لیکن عید الاضحیٰ میں تو دس دن کا وقت ہوتا تھا خبر کو پہنچانے کے لئے راستے متعین تھے لوگ انہی راستوں سے آیا جایا کرتے تھے دو چار آدمی دونوں شہروں سے آ سکتے تھے اور مکہ یا مدینہ آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی راستے ہی میں خبروں کا تبادلہ ہوتا اور سارے عرب کے لوگ مکہ مدینہ سے خبریں موصول کرتے اور سب ایک ہی دن مل کر عید مناتے لیکن پوری اسلامی تاریخ میں اس طرح کے جدید وسائل کو استعمال کرنے کی کسی کو نہیں سوجھی جو آپ جیسے مفکروں کو سوجھ رہی ہے! اس

لئے مطلع مختلف ہونے کے بعد دوسری جگہ کی رویت کی خبر پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ایسا عمل ہے، جس کی دلیل سلف وخلف میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

سوال نمبر۱۳۔عرفہ کا روزہ مکہ کے چاند کے حساب سے رکھیں تو عیدالاضحیٰ کہاں کے چاند کے حساب سے کریں اور ایام تشریق کہاں کے چاند کے حساب سے پورے ہوں گے؟

جواب۔ سوال نمبر۱۱ کے جواب کے مطابق جب عرفہ کا روزہ اپنی اپنی رویت کے اعتبار سے رکھا جائے گا تو عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق وغیرہ بھی اسی کے مطابق ہوں گے۔

سوال نمبر۱۴۔جس جگہ کے حساب سے روزہ رکھا جائے وہیں کے حساب سے افطار، سحری ونماز بھی پڑھنا چاہئے اس کی کوئی شرعی دلیل ہے؟ اگر کوئی ایسا کرنے کو کہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ سوال یہ ہے یہ شخص روزہ کیوں رکھ رہا ہے؟ کیا وہ وہاں مقیم ہے اور وہاں رویت کے ہوجانے کی وجہ سے رکھ رہا ہے؟ یا پھر اپنے یہاں رویت کے متحقق ہوئے بغیر مکہ کی رویت کی اطلاع پر ایسا کر رہا ہے؟ اگر بات پہلی ہے تو ظاہر ہے اس کو وہاں کے اعتبار سے ہی افطار، سحری اور نماز وغیرہ کرنا ہے، اور اگر بات دوسری ہے تو اس کا یہ عمل شریعت کے خلاف ہے اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور جب بلا دلیل ایسا کرتا ہے، تو اس کو اگر کوئی الزامی جواب کے طور پر کہتا ہے کہ ''افطار، سحری اور نماز بھی وہیں کے حساب سے رکھو'' تو ایسا کہنا بالکل درست ہے۔ شرعا اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ فافہم وتدبر۔

سوال نمبر۱۵۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کے چاند کی رویت پر روزہ رکھتے ہو تو دنیا میں کہیں سے چاند گرہن کی اطلاع پر چاند گرہن کی نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو، یہ قول شریعت کے خلاف ہے یا شریعت کے مطابق؟

جواب۔ بات تو بالکل درست کہتے ہیں کچھ لوگ! بھائی صاحب جس طرح روزہ چاند کی رویت سے معلق ہے ایسے ہی گرہن کی نماز بھی گرہن کی رویت پر، تو دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے نا؟ تو دونوں مسئلوں میں فرق کس دلیل سے؟ ہاں اگر آپ اپنی رویت کے حساب روزہ رکھتے ہیں تو گرہن کی نماز بھی اپنی رویت کے حساب سے پڑھئے۔

سوال نمبر۱۶۔شیخ رضاء اللہ صاحب لکھتے ہیں ''اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ شام کی رویت کو مانتے تو کم از کم عید تو ان کے ساتھ کر سکتے تھے اور جو روزہ چھوٹ گیا اس کی قضا کرتے؟ مگر انہوں نے شام والوں کے ساتھ عید بھی نہیں کی اور کسی صحابی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شام کے رمضان کے چاند کی خبر ۱۵ دن کے بعد مدینے پہنچی تو شام کی عید کے چاند کی خبر مدینے اسی دن کس طرح پہنچتی یہ کیسے پتا چلتا کہ شام میں ۲۹ کا چاند ہوا یا ۳۰ کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کس تاریخ کے حساب سے عید کرتے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب۔ حدیث کریب سے اتنی بات تو طے ہے کہ مدینہ والوں نے شام والوں سے ایک دن بعد روزہ رکھا تھا رہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کی کہ وہ کس دن عید کرتے کہ شام والوں کی عید کے موافق ہو جاتے؟ تو موافقت کے لئے اتنا کیا جا سکتا تھا کہ ۲۸ روزے پورے کرنے کے بعد ہلال کے دیکھنے کا اہتمام کرتے اور اگر دکھ جاتا تو دوسرے دن عید کرتے اور ایک روزے کی قضا کرتے اور اگر چاند نہیں دکھتا تو ۲۹ روزوں کے بعد لازما عید کرتے اور بعد میں ایک روزے کی قضا کرتے، لیکن ابن عباس نے ایسا نہیں کیا، نا تو ۲۸ کے بعد چاند دیکھنے کا اہتمام کیا بلکہ انہوں نے صاف کر دیا کے اگر ۲۹ کے بعد چاند دکھتا ہے تو ٹھیک اور نہیں دکھتا ہے تو ہم ۳۰ روزے پورے کریں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک جگہ کی رویت کو تمام جہاں کے لئے نہیں مانتے تھے اور جب وہاں موجود صحابہ نے اس کی مخالفت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کے صحابہ کرام بھی اس مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں فافهم وتدبر! شیخ رضاء اللہ المدنی حفظہ اللہ کی عبارت کا یہی مفہوم ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے اس وقت شام کی رویت کی اطلاع مدینہ دن کے دن نہیں آسکتی تھی اگر اس کے بعد بھی شیخ کی عبارت سمجھ میں نہیں آئی ہو تو شیخ سے خود رابطہ کر لیں مثل مشہور ہے، صاحب خانہ، خانہ کے بارے میں زیادہ جانتا ہے

سوال نمبر۱۷۔شیخ رضاء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ "صوموا لرويته " کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو سمجھا وہ یہی ہے کہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کی رویت کا اعتبار کریں'' اب اگر کوئی شخص دوسرے علاقہ کی رویت پر عمل کرے تو اس کا یہ فعل شریعت کے خلاف ہے یا شریعت کے موافق؟

جواب۔ اگر رویت ممکن نہیں ہے اور اس کے بعد بھی کوئی شخص دوسری جگہ کی رویت کا اعتبار کرتا ہے تو ایسے شخص کا یہ فعل شریعت کے خلاف مانا جائے گا تفصیل پہلے گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

سوال نمبر ۱۸۔شیخ احمداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارا کوئی واقف کار ہمیں مکہ سے کسی کی پیدائش یا موت کی خبر دیتا ہے تو ہم مان لیتے ہیں مگر اسی واقف کار کی دی ہوئی چاند کی خبر کو نہ لینا کیا بے وقوفی نہیں ہے؟'' اس پر شیخ رضا اللہ صاحب فرماتے ہیں'' کہ بے وقوفی یہ ہے کہ دین اور دنیا کی خبر کو ایک سمجھنا، دین اور دنیا کی بات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے'' سوال یہ ہے کہ یہی واقف کار مکہ سے عرفہ کے روزے کی خبر دے تو اس خبر پر عمل کرنا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

جواب۔سائل اصل میں دو الگ الگ چیزوں کو ایک ہی سمجھے ہوئے ہیں (۱) کسی واقف کار کی خبر کو ماننا اگر وہ سچا ہے (۲) ماننے کے بعد اس کے مطابق عمل بھی کرنا، کسی واقف کار کا بچے کی ولادت یا موت کی خبر دینا دنیاوی مسئلہ ہے لیکن اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس کے بالوں کو ساتویں دن کٹوانے کی ذمہ داری ظاہر ہے ہماری نہیں ہوتی اور نا ہی مرنے والے کے کفن دفن کی ذمہ داری ہماری ہوتی ہے بلکہ یہ امور وہاں رہنے والے واقف کاروں کے ہیں، اب اگر کوئی شیخ احمداللہ صاحب کی طرح کہنے لگے کہ میں جب مکہ کی رویت کو مانتا ہوں تو اپنے یہاں بچے کے بال کیوں نہیں کٹوا سکتا اور کفن دفن کیوں نہیں کر سکتا؟ ظاہر ہے اس شخص کی سوچ نہایت درجہ بے وقوفانہ ہے ٹھیک اسی طرح مکہ کی رویت کو مانا تو جائے گا کہ وہاں رویت ہوگئی لیکن عمل اپنے یہاں کی رویت کے مطابق ہی ہوگا چاہے عرفہ کا روزہ ہو یا کوئی اور روزہ۔

سوال نمبر ۱۹۔شیخ رضاء اللہ صاحب فرماتے ہیں'' کہ مکہ سے آنے والی بچہ پیدا ہونے کی خبر ہم مانتے ہیں اور چاند کی خبر بھی ہم مانتے ہیں مگر چاند کی خبر کی بنیاد پر ہم روزہ نہیں رکھتے یہ دینی معاملہ ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے'' تو عرفہ کے روزہ کے لئے چاند ہونے کی خبر کی دلیل کس طرح کی ہونی چاہئے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب۔شریعت کا کوئی بھی مسئلہ ہو اس کے ثبوت اور عدم ثبوت کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے، لھذا شیخ رضاء اللہ المدنی حفظہ اللہ کی بات بالکل درست ہے اور رہی بات عرفہ کے روزے کی تو ظاہر ہے اس کے لئے بھی شرعی دلیل کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں درست بات یہی ہے کہ عرفہ کا روزہ بھی اپنی رویت کے حساب سے ہی رکھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔